© rasailojaraid.com



# نظریۂ موت اور قرآن

از مولانا سید ابوالنظر رضوی

(۵)

اب صرف دو چیزیں ایسی باقی رہ جاتی ہیں جن پر مجھے کچھ اور بھی کہنا چاہیے۔ ایک یہ کہ عالمِ برزخ کہاں ہے دوسرے یہ کہ اس کی زندگی خواب سے کہاں تک مشابہ ہے اور کہاں تک نہیں۔

اگر مجھے تو یہ پر مجبور نہ کیا جائے تب مجھے کہدینا چاہیے کہ ہر عالم اس ہی عالمِ مادی کی پست و بلند فضاؤں میں پایا جاتا ہے۔ خواہ ہم وہاں ارضی قانونِ حیات کے تحت زندگی نہ گذار سکتے ہوں یہ چیز یاد رکھئے کہ میں فضا کی وسعتوں کے چاروں طرف کوئی دائرہ نہیں بنا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ فضا کی وسعت بلندی اور گہرائی کہاں تک ہے۔ مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ خدا کا تختِ جلال آسمان وزمین ہے۔ کرسیہ السموات والارض اس سے اوپر کوئی دنیا نہیں ہو سکتی۔

سائنس فضا کی جو حدود بتاتی ہے وہ انسانی پرواز کا منتہیٰ ہے۔ فضا کی سرحد نہیں۔ بہرحال کوئی حد کیوں نہ ہو، حد ایک ہی ہوگی اور وجود وہستی کا ایک ہی دائرہ۔ وجود کی کوئی نوع اس سے باہر نہیں ہو سکتی۔ ہماری مادی فضا ہی کو دیکھ لیجیے جس کی وسعت بھی محدود ہے جو ہمارے علم واطلاع سے بھی باہر نہیں اور جس کا تقاضہ اپنے مقامِ وجود پر قبضہ رکھتے ہوئے دوسرے وجود کو داخلہ کی اجازت نہ دینا ہے۔ کیا وہ ذراتِ ریگ، فولادی ذرات، ہوا، ایتھر انحرافی خطوط کے تحت گوناگوں شعاعوں، برقی لہروں، آوازوں، خیالات کی موجوں، حرکات و اعمال کی تصویروں غرضکہ حقائق سے بھرپور نہیں اور کیا کوئی وجود دوسرے وجود کو فنا کر سکتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے کچھ اس طرح جگہ پیدا کی گئی ہے کہ دوسرے عالم کو



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بھی گنجائش میں کمی نہ ہو سکی۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس ہی فضائی دائرہ یا اس سے بالاتر دوائر میں دوسری مستقل یا غیر مستقل کائناتی زندگیاں نہیں ہو سکتیں۔ عالم برزخ کہاں ہے؟ عالمِ مثال کے ایک گوشہ میں۔ عالمِ مثال کہاں ہے اس ہی دنیا کی سرحدات میں۔ عالم مثال مستقل قوانین رکھتے ہوئے بھی زیادہ تر عکوس وظلال ہی جذب کرتا ہے۔ لیکن برزخ کے لئے نتائج کی اشکال اور عرفی تعبیرات مقدر کر دی گئیں دونوں میں ایک نوع کی مغائرت ہے اور ایک قسم کی یگانگت۔ اگر کوئی نقطۂ اتحاد نہ ہوتا تو صوفیا، تخیلی قوتوں کو نشو و نما دیتے ہوئے دیگر مکاشفات کے ساتھ ہی کشفِ قبور کا فنی مظاہرہ نہ کر سکتے تھے۔

دراصل انسانی فطرت کا اقتضا یہ ہی ہے کہ زندگی کے انقلابات کے لئے ایک ہی عالم، ایک ہی فضا اور ایک ہی دائرہ ہونا چاہئے۔ سائنٹفک ریسرچ، روحانیین کے مشاہدات اور مذہب کے دعادی بھی نشاۃ ثانیہ سے پہلے ہر عالم کو نشاۃِ اولیٰ ہی سے وابستہ کرتے ہیں۔

فلاسفہ اور ہندو جوگیوں کو ایک ہی دائرہ میں گوناگوں انقلاباتِ حیات کے مشاہدہ نے تناسخ کے فریبِ تخیل میں پھنسا دیا۔ اس حد تک ان کا اولین تاثر غلط نہیں کہ تنزلات کی آغوش میں وجود بھی ایک ہی ہے اور دائرہ بھی ایک ہی۔ لیکن ثانوی تاثرات میں جو پہلے تاثرات کی طرح ہی حقیقی اور سچے تھے انھوں نے ٹھوکر کھائی۔ زندگی کے حقائق اولی اور ثانوی مدارج رکھتے ہیں۔ ہر غذا اور دوا کا بھی ایک فعل اولی ہوتا ہے ایک فعل ثانوی اور ہر عمل ہر خیال کا بھی ایک فوری نتیجہ ہوتا ہے اور کچھ دور رس نتائج جو اس کا فعلِ ثانوی ہے۔ یہ ہی رنگ ہر چیز کا ہے۔ گویا کہ سارے وجود ہی کو "مثانی"[1] کی بولتی ہوئی تصویر کہنا چاہئے۔

---

[1] علم مثانی کو قرآن نے خصوصیات نبوی میں بھی شمار کیا ہے "ولقد اتیناک سبعاً من المثانی" اور متشابہات کی صفت بھی "مثانی" ہی بتلائی گئی تھی۔ کتاباً متشابہاً مثانی۔ لیکن تعجب ہے کہ آج تک مفسرین نہ اس کے صحیح معنی متعین کر سکے نہ آخری اور متفقہ فیصلہ تک ہی رسائی ہو سکی۔ میں اس موضوع پر ایک مستقل مضمون لکھ رہا ہوں جس میں متشابہات کا مفہوم، ان کی افادیت پر بحث کرتے ہوئے "مثانی" پر بھی گفتگو کی جائے گی یہاں "مثانی" پہ اتنا ہی کہنے کا حق تھا جتنا کہ آپ مطالعہ کر چکے ہونگے لیکن ان معانی کو قرآنی مفہوم نہ خیال کیجئے۔ (ابوالمنظر رضوی)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسلام اس حقیقت کا ترجمان تھا اس لئے مجدد صاحبؒ اور شاہ صاحب اپنی تصانیف میں بیان کر سکے۔ غیر مسلم روحانیین شمع راہ اور پیمانہ رکھتے تھے۔ راستے سے بھٹک گئے۔ زندگی کا آغاز و انجام ایک ہی دائرۂ حیات کی گردش کے نام ہیں۔ سمت بدل سکتی ہے دائرہ کا مرکز نہیں بدل سکتا یعنی برزخ اس ہی کائنات کا ایک معنوی عالم ہونا چاہیئے۔

دوسری بات جس پر مجھے کچھ عرض کرنا چاہیئے برزخ اور خواب کی مماثلت اور عدم مماثلت ہے شاید آپ نے زندگی کے اس پہلو پر غور کیا ہوگا کہ اگرچہ لذت و غم احساس ہی کا مظاہرہ ہے لیکن حواس اثر پذیر ہونے کے لئے نمود و نمائش اور اشکال کے محتاج ہیں اور شکل تین طرح پیدا ہوتی ہے نتیجہ میں عمل سے مکمل ربط رکھتے ہوئے جیسے محنت سے سرمایہ اور عیش، یا عکس و ظل سے یا محض تمثیل کے رنگ میں۔ عکس کا برزخ میں سوال ہی کیا؟ چیز ہی کونسی ہے جس کا فوٹو اتارا جائے تمثیلی اشکال، عمل کا مظاہرہ نہیں کہلائی جا سکتیں۔ مثال، ذہنی صفات کے ایک ایسے ذہنی تصور کا نام ہے جو تجربات کی بنیاد پر کسی چیز سے منسوب کر دیا گیا ہو۔ اب شکل سازی کے لئے عرفی تعبیرات ہی رہ گئیں اور وہ ہی ہماری زندگی کا قانون کہلائی جا سکتی ہیں۔ ہم جب کبھی کسی کو محنت و کارکردگی پر آمادہ کریں گے تو ان ہی تعبیرات کا نقشہ کھینچا جائے گا۔ عمل کا قدرتی نتیجہ عرفی تعبیرات کے سوا کچھ نہیں اگرچہ یہ تعبیرات بھی مثالی شکل کے سوا کچھ نہ ہوں۔ جیسے صفراوی بخار میں دردِ سر اور آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھنا۔ بیداری میں بھی عیش، بہترین کوٹھی، چمن، خدمت گاروں، حسین عورتوں اور شوخ و شنگ منچلوں ہی کے روپ میں نمایاں ہوتا ہے اور خواب میں بھی۔ لذت و غم کی ہزارہا اشکال بیداری میں بھی پیدا ہوتی ہیں اور خواب میں بھی۔ یہ ہی وہ مماثلت ہے جس نے عرفی تعبیرات اور وہمی تماثیل کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں اگر آپ عرفی تعبیرات کے ذریعہ سمجھانا چاہیں تب بھی درست ہوگا اور اگر عمل و نتیجہ کے قدرتی ربط کو زندہ رکھتے ہوئے خواب سے سمجھانے کی کوشش کریں جو عرفی تعبیرات ہی کا سطحی تشابہ رکھنے والا ایک مختصر سا نمونہ ہے۔ تب بھی وہ غلط نہ ہوگا بلکہ سمجھانے کے لئے بہت مناسب۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قرآن نے بھی ایک طرف مظاہرِ اعمال کا دعویٰ کیا اور دوسری طرف اسے موت کی نیند سے وابستہ۔ جو لازمی طور پر خواب نہ سہی۔ خواب کی قسم ضرور ہو جائیگا۔ اور برزخ کی یہ ہی حقیقی نوعیت بھی تھی۔ تمثیل کی آپ کتنی ہی اقسام بنا لیجئے بہرحال اس سے گریز ممکن نہیں۔ انسان تمثیلی فطرت پر ہی پیدا کیا گیا تھا۔ اور آج بھی اس ہی فطرت کا تقاضہ پورا کرتے ہوئے ہر چیز کو تمثیلی رنگ میں سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

شعر و ادب، تجارت، تاریخ، سیاست، مذہب اور تمدن و معیشت وغیرہ غرضکہ زندگی کے کسی پہلو میں اُسے تمثیلی اشکال کے بغیر متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیل کے لئے مستقل موضوعِ بحث کی ضرورت ہوگی۔ بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ شعراء کے دواوین، ترقی پسند اور رجعت پسند ادیبوں کے افسانے، تجارتی پروپگنڈا، مصور تاریخیں، تمدنی فلم سازیاں، بت گری، تعزیہ پرستی، مقبرے یہ سب کیا ہیں۔ جذبات اور خیالات کی تمثیل اور فوٹوگرافی۔ ایک حد تک فطرت کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے اسلامی نظام نے بھی اجازت دی تھی لیکن حدود سے تجاوز کرنے والے طبائع قید و بند سے آزاد ہو گئے۔ آج علمی ارتقاء اس نقطہ سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ جو تمثیلی فطرت پر نفسیاتی، شعوری، اخلاقی اور معاشی فطرت کو غلبہ دے سکیگا۔ لیکن پھر بھی زندگی کے کسی گوشہ میں تمثیلی فطرت کو نمایاں ہونے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ ہاں سمت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ آپ سنیما میں عریانی کے بجائے اخلاقی کیرکٹر پیش کر سکتے ہیں تمثیل نگاری، مصوری اور فلم سازی کو دفن نہیں کر سکتے۔ اس ہی تمثیلی فطرت اور تمثیلی قانونِ حیات نے نتائجِ عمل کے لئے تمثیل سازی کا نفاذ کیا تھا جس کی بہترین نمائش گاہ کا نام عالمِ برزخ ہے ورنہ بیداری و خواب کی دنیا بھی تمثیلات اور اشکال ہی سے معمور تھی۔ برزخ اپنی تعبیرات میں خواب کی تمثیل سازی سے کہاں تک ہم آہنگ ہے اور کہاں تک نہیں اسے بھی سن لیجئے۔

حسب ذیل پہلو دونوں کے یکساں ہیں۔

(۱) خواب کا لذت و الم جس طرح بیرونی دنیا سے وابستہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے ہی دائرہ تخیل کی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ترجمانی کرتا رہتا ہے۔ ایسے ہی برزخ کا لذت والم بھی ایک مستقل غلافِ معنوی کے تحت اپنے ہی دائرۂ تخیل، اپنے ہی اخلاط صالحہ و فاسدہ اور اپنے ہی اخلاق و ملکات کی اشکال و ہیئات سے پیدا ہوتا رہتا ہے۔ امام غزالی بھی اپنی تصانیف میں لذت والم کو بیرونی اجسام سے وابستہ نہیں کرتے لیکن انہوں نے قبر میں ہی عالمِ قبر نہ دیکھ سکنے والوں سے متاثر ہو کر ایسا فرمایا ہے ورنہ عالمِ قبر کو قبر سے باہر مگر جسمانی رنگ لئے ہوئے تسلیم کر لینے پر کوئی اعتراض نہ ہوسکیگا۔ کتنے لطیف جسمانیت رکھنے والے عالم ہیں جنھیں نہ کبھی دیکھا نہ شاید کبھی دیکھ سکیں۔

(۲) جس نوع کے عللِ تشاکلہ بیداری کے دائرۂ تخیل اور عالمِ خواب کے درمیان تمثیل سازی کے صدہا پہلو پیدا کرتے ہیں۔ تقریباً وہی فطری قوانین کے تحت برزخ میں بھی اعمال واخلاق کو نہ معلوم کتنی جسمانی اشکال کے سانچہ میں ڈھالتے رہیں گے۔

(۳) جس طرح خواب تمدنی ارتقاء کا آئینہ ہوتی ہے ایسے ہی برزخ میں بھی تمدنی معیاروں کے مطابق ہی لذت والم کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ اگر کسی کے نزدیک گاؤ تکیہ، تخت، قالین، دیوان خانہ، زریں کمر غلام، چنوار ہاتھی اور آبشاروں کے درمیان چمن کی مرمریں سہ دری ہی عیش کا بہترین نمونہ تھا تو وہی چیز اس کے سامنے آئیگی۔ لیکن اگر کسی کا تمدنی ماحول کوٹھی، موٹر، فرسٹ کلاس کرسیوں، صوفے اور خوبصورت لیمپ وبرقمے ہی کو عیش کا سامان سمجھتا ہے تو اس کے لئے یہ ہی سامان مہیا کیا جائے گا۔ امام غزالیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

(۴) جس طرح شخصی استعدادات خواب میں لذت والم کی مقررہ صورتوں میں بھی صدہا جزئی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہیں۔ ایسے ہی عالمِ برزخ میں بھی ہر خلق وعمل کی مخصوص شکل میں بھی شخصی استعداد کے لحاظ سے ضمنی اور ثانوی تغیرات ہوتے رہیں گے۔

(۵) جس طرح بیداری کے مقابلہ پر خواب میں ہر احساس قوی تر و سریع تر ہو جاتا ہے ایسے ہی برزخ میں بھی ہلکی و نازکی کا ہر معمولی احساس شدید تر اور عظیم تر ہو جائیگا۔ خواب میں لیمپ کی ایک شعاع، ہوا کا ایک سرد جھونکا جس طرح آتشیں طوفان اور سبزہ زاروں کی خوشگوار فضا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پیشاب کے چند قطرات کی ناپاکی اور ایک پاک بازانہ قدم لذت والم کی عظیم ترین اشکال میں نظر آئیگا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ بتلانے کا یہی فلسفہ ہے۔ برزخ سے لیکر دوزخ تک انسان اس ملکہ میں ترقی ہی کرتا جائے گا۔ ستر گنا تو محض ایک تعبیر ہے نہ معلوم وہاں کی آگ ہزار در ہزار گنا زیادہ ہو۔

(۶) جس طرح عالم بیداری کا ایک واقعہ خوابیدہ شخص کی تخیلی موجوں میں منعکس ہو کر خواب دیکھنے والے کو نظر آجاتا ہے ایسے ہی عالم برزخ میں بھی اصلی یا تمثیلی شکل میں نظر آسکتا ہے، عزیزوں دوستوں کی تکالیف سے واقف ہونے کے لئے مردہ کے پاس ایک یہ ہی ذریعہ ہے۔ مردہ کی روح گھر پر نہیں آتی ہاں تخیلی لطافت رکھنے والے چونکہ اپنے تخیلی ٹیلی وژن سے فضاء کے قدیم انعکاسات اور کبھی، کبھی عالم برزخ کی باطنی شخصیت کا معائنہ کرلیتے ہیں۔ اس لئے تناسخ پرستوں کے مغالطہ کا شکار ہو کر روح کی آمدورفت کے دعوے کرنے لگے۔ حالانکہ اس ملاقات کا ہمارے عالم سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

(۷) شعور واحساس کا غبار آلودگی اور کشمکش یا اس کا پرسکون، روشن اور صاف ہونا جس طرح خواب کی دنیا پیدا کرتا اور لذت والم کی گنگا جمنا میں غرق کر دیتا ہے ایسے ہی یقین رکھنا چاہیے کہ مادی عیش وآرام چھوڑنے کی وہ جذباتی اذیت جو انسانیت کے طبعی تقاضہ سے کہیں دور ایک سرمایہ پرست اور دنیا دار کو ہوتی ہے اگر عالم نزع تک زندہ رہے اور صبر ورضا کی طمانیت اُسے سکون آشنا نہ بنا سکے تو برزخ کی زندگی بھیانک مناظر کے ایک وسیع میدان کا رنگ اختیار کرلیگی۔

(۸) جس طرح خلط صفراوی یا بلغمی رکھنے ولے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خواب کی دنیا کا نقشہ پہلے سے تیار کر رکھے کیونکہ خلط کی مقدار، دوسری اخلاط سے کیمیاوی ترکیب کی نوعیت اور پھر ان کی زائیدہ کیفیات علامات کا صحیح اندازہ کر سکنا حاذق ترین اطباء کے لئے بھی ایک عقیدہ لاینحل ہی رہتا ہے۔ خواہ بعض اوقات قرائن اور قیاسات درست بھی ثابت ہوتے رہیں۔ ایسے ہی ہم مقدار اعمال۔ جذبہ وعمل کی کیمیاوی ترکیب، مرکزی نصب العین سے خطوطِ انحراف کا تعین اور انحراف وعدم انحراف سے عمل کی اہمیت کا اندازہ کرلینا کوئی آسان کام نہیں۔ اس لئے نیک عمل کی زندگی بسر کرنے کے لئے باوجود برزخ کا نقشہ بنانے کی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جانت نہیں دی جا سکتی۔ اندازہ درست ہو سکتا ہے مگر اعتماد کے قابل نہیں۔ زندگی کے صدہا پہلوؤں تک نگاہ ہی نہیں پہنچتی چہ لا نکہ ہم ہر شخص سے زیادہ اپنی ذات سے واقف ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی اپنی عملی زندگی کا وزن ہی کرنا چاہتا ہو تو اس جذبہ کا محاسبہ کرلے جو اسلام کے اجتماعی نظامِ حیات کو کامیاب بنانے اور خدا کے قانون کو زندگی کے ہر پہلو میں نافذ کر دینے کے لئے رکھتا ہے۔ نفسی کیفیات کی ڈگریوں سے نہیں۔ بلکہ کیفیات و اعمال کے تناسب اور توازن سے۔ اس ترازو پر اپنی زندگی کا وزن کرنا بہت ہی کم غلط ہو سکتا ہے معمولی، معمولی تغیرات بھی چونکہ اہم نتائج کی تخلیق کر سکتے ہیں۔ اس ہی لئے قانونِ شرعی کی جزئیات اور دقائقِ سنت مطہرہ پر عمل کی دعوت دی جاتی ہے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ معمولی فروگذاشتوں کو خطرناک جرائم کی فہرست میں نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن فرائض سے پہلے سننِ نبویہ کی تکمیل پر زور دینا بھی غلط ہوگا جو آج کل عام روش ہے۔

(۹) جس طرح خواب، زندگی کے ارتقاءِ عملِ تغذیہ اور ربوبیت و پروردگاری کے تسلسل کو نہیں روک سکتی۔ ایسے ہی لاشعوریت سے شعور، اخلاق سے عملی نتائج، گناہ کی تاریک شعاعوں سے انحراف اور نیکی کے خطوطِ مستقیم سے خطِ مستقیم پیدا ہوتا اور ترقی کرتا رہیگا۔ شہداء کو رزق پہنچنے کا مطلب جہاں ضروریاتِ زندگی فراہم ہوتے رہنا ہے وہیں رزق سے تغذیہ اور تغذیہ سے نشو ونما کو بھی فراموش نہیں کر دینا چاہئے لیکن یہ ارتقاء اتنا ہی ثانوی اور اضافی قسم کا ہوگا۔ نشأۃ ثانیہ کے مقابلہ میں جیسا کہ بیداری کے مقابلہ پر خواب کی حالت میں ہوتا ہے۔

(۱۰) جس طرح خواب شخصی دائرۂ تخیل کی نمائش کا نام ہے۔ ایسے ہی برزخ بھی اس ہی اسکول فلکِ معنوی یا فلکِ ہمت کے مطابق ہوگا جو زندگی کی جدوجہد نے ایک مخصوص ماحول کے تحت پیدا کیا تھا۔

لیکن حسبِ ذیل امور دونوں کے درمیان حقیقی تغائر پیدا کر دیتے ہیں۔

(۱) خواب کی تمثیلات عمل سے براہِ راست نہیں پیدا ہوتیں جیسے کہ بیداری میں اعمال کے تمثیلی نتائج سامنے آتے ہیں۔ برزخ اس اعتبار سے بجائے خواب کے بیدار زندگی کا عکس ہوگا۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(۲) خواب تحت الشعوری خیالات اور جذبات کی نمائش کرتا ہے تاکہ تکمیلِ آرزو ہو سکے لیکن برزخ میں تحت الشعوری خیالات بھی چونکہ شعور ہی کے درجہ میں آجائیں گے اور جذبات پر بھی اس ہی قانون کا نفاذ ہو جائے گا جو بیداری میں نافذ تھا۔ اس لئے تکمیلِ آرزو[1] کا مالیخولیا باقی نہ رہیگا۔ بیداری میں تو عملی امکانات تکمیلِ آرزو کے تصور کا جواز رکھتے تھے یہاں وہ بھی نہ رہیگا کیونکہ وہ ہی مجبورانہ حالت ہو جائے گی جو خواب بلکہ ہر عمل کا نتیجہ سامنے آجانے پر ہمیشہ پیدا ہوا کرتی تھی اور اس مجبوری کا احساس نفسیاتی اذیت کو کئی گنا زیادہ بھی کر دیگا۔

(۳) خواب بے ربط، غیر مسلسل ہوتی ہے۔ برزخ میں کائنات کا سا قانونِ تسلسل کام کر رہا ہوگا۔ اور کوئی پہلو کنٹرول سے باہر نہ ہوگا۔

(۴) خواب کی کوئی چیز دوبارہ نہیں دیکھی جا سکتی کیونکہ اس کے ضمیر میں استقلال و ثبات ودیعت نہیں کیا گیا۔ لیکن برزخ میں ہر چیز اپنی اپنی جگہ مستقل ہوگی اور ہمیشہ اس کو دیکھ سکنا ممکن ہوگا معراج کو بھی قرآن نے اگرچہ رویات سے تعبیر کیا ہے مگر یہ بتاتے ہوئے کہ واپسی میں بھی ان ہی حقائق کو دیکھا گیا جو پہلے معائنہ میں سامنے آچکے تھے۔ ان حقائق کا ثبات ہی خواب سے مختلف ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۵) خواب روشن، صاف اور تابناکی لئے ہوئے نہیں ہوتا۔ ایک دھندلکا اور تاریکی اس کو احاطہ کئے ہوتی ہے۔ لیکن برزخ میں ہر چیز صاف اور روشن ہوگی جیسے کہ آفتاب کی روشنی میں آپ دیکھتے ہیں۔

(۶) خواب کا دائرہ تمثیل محدود ہوتا ہے۔ نگاہ ایک خاص حد تک ہی کام کر سکتی ہے اور برزخ میں وسیع ترین دائرہ ہوگا حتیٰ کہ بیدار زندگی کا طولِ نگاہ بھی اس کا جواب نہیں پیدا کر سکتا۔ گویا کہ دوربینی اور باریک بینی کی وہ تمام استعداد جسے مادی ساخت کی کمزوریوں نے نمایاں ہونے کا پورا موقع نہ دیا تھا اپنے شباب پر آجائیگی۔

---

[1] یہ اصطلاح خواب کی علمی تحقیقات سے وابستہ ہے مماثلت تھی الا النفس سے نہیں۔ ابو النظر رضوی۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(۷) خواب عالمِ خیال سے تعلق رکھتی ہے اور خوابِ مرگ عالمِ خیال کا ہر ممکن ارتقار رکھنے والی کائنات سے۔ عالمِ خیال اور عالمِ برزخ کا باہمی تعلق روحِ انسانی اور روحِ حیوانی جیسا ہے۔ روحِ انسانی کے لطائف، اس کی قوتیں، اس کی استعدادات روحِ حیوانی کے پردہ پہ نمایاں تو ہو سکتی ہیں لیکن نہ دونوں کی حقیقت ایک، نہ خصوصیات، نہ حدودِ پرواز۔ مقناطیسی خواب، مغربی روحانیت نوازوں کا ارواح سے گفتگو کرنا، ہندوستانی ماہرانِ تخیل کا انگوٹھے کی سیاہی میں سب کچھ دکھا دینا اور مکاشفہ وغیرہ عالمِ خیال کے عجائبات کے سوا کچھ نہیں[1]۔ عالمِ ارواح کو ان چیزوں سے کیا تعلق۔ بہت سی ایسی باتیں جن کے متعلق ہم یقین رکھتے ہیں کہ مرنے والے کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا اس ہی شخص کی خیالی لہروں میں محفوظ ہوتی ہیں۔ جو فن کار بھی انھیں پکڑ سکتا ہو۔ ان نامعلوم باتوں کو بتا سکیگا۔ عالمِ خیال کا یہ قانون ہے کہ عام طور پر وہ اپنی باتیں مختلف شکلوں اور تمثیلات میں پیش کرتا ہے۔ جو لوگ خواب یا بیداری میں مرنے یا کسی فاصلہ پر رہنے والے کی شکل دیکھنے یا گفتگو کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے لیکن چونکہ عالمِ خیال اور عالمِ ارواح میں امتیاز کر سکنے کی اہلیت نہیں رکھتے یا اس خوشی میں اس سے کام نہیں لینا چاہتے کہ ہمارے مذہبی خیالات کو تجرباتی وقار ہو سکیگا۔ اس لئے ایسی باتوں کو روح کے ثبوت میں پیش کر دیا جاتا ہے جسے ایمان و یقین کی کمزوری سمجھنا چاہیے۔

---

[1] اتفاق سے اس کی ایک سند بھی مل گئی۔ خواجہ محمد عباد اللہ اختر اپنی تصنیف دمشق کے ص ۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ عین القضاۃ ہمدانی رہ کا قول تھا میں نے رسول اللہؐ کو بارہا عالمِ مثال میں دیکھا اور ملاقات و گفتگو سے استفادہ کیا۔ بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرا اپنا ہی خیال تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں سمجھ یہی کہنے کی جرأت کرونگا کہ بزرگ ترین صوفیاء کے لئے حقائق برزخ تک رسائی ناممکن نہیں کہی جا سکتی۔ اگرچہ جو کچھ مشاہدہ کیا جائیگا وہ عالمِ خیال ہی کے قانون کے تحت ممکن ہو سکتا ہے۔ مجدد صاحبؒ کے نزدیک بھی شخصی لطائف بزرگانِ دین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر لطائف اس شخص کے بھی ہو سکتے ہیں جس کا مشاہدہ کیا گیا۔ ہمدانی صاحب نے جو کچھ کہا وہ بھی اپنی حقیقت سے عالمِ خیال سے پرواز کر سکنا شاید ہی کسی کے لئے ممکن ہوا ہو لیکن برزخی لطائف کا عالمِ خیال میں متشکل ہو جانا بھی ناممکن نہیں۔ ابوالنظر رضوی۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میرا یہ مطلب نہیں کہ بزرگ ترین صوفیا نے ارواح سے جو گفتگو کرنے کا دعویٰ کیا تھا وہ بھی ایک حقیقت ہی تھی لیکن صرف عالمِ خیال ہی کی حقیقت تھی۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ سطحِ حیوانی کی طرح عالمِ خیال بھی عالمِ برزخ اور اس کی ارواح کے علوم و احساسات کو نمایاں کر سکنے سے عاجز نہیں۔ ضرورت صرف اس استعداد کی ہے جو محسوسات سے عالمِ خیال اور عالمِ خیال سے لطائفِ برزخ کی تمثیلِ خیالی تک طاقتِ پرواز کو بلند تر کر سکتی ہو۔ صوفیا کا ایک طبقہ یہ طاقت رکھتا تھا۔ اس نے جو کچھ بیان کیا اسے یورپ کی روحانیت نوازی سے ہم آہنگ نہیں کر دینا چاہئے مگر یہ چیز بھی یاد رکھئے کہ اسلام کے نظامِ حیات میں اس کمال کے لئے بھی کوئی اعزازی ڈگری نہیں۔ اگر اس آرٹ سے زندگی کے مذہبی پروگرام کو تقویت پہنچ سکتی ہو تو وقعت دی جا سکتی ہے ورنہ وہ انسانی آرٹ کا ایک شاہکار ہے اور کچھ نہیں۔

یہ تھا وہ عالمِ برزخ جس کے تغیری دور اور انقلابات کے درمیانی وقفہ کو اگلے وقت کے لوگ حوالات کہا کرتے تھے۔ ہماری زندگی میں حکومتی قوانین کا جس طرح نفاذ ہوتا ہے اس کے لحاظ سے یہ تشبیہ غلط نہ تھی۔ قرآن نے بھی ہمارے حالات کا تقاضہ پورا کرتے ہوئے سزا اور جزا کی اصطلاح استعمال کی ہے مگر چونکہ زندگی کے ارتقاء کے لئے خواہ وہ کسی سمت کیوں نہ ہو۔ قانونِ قدرت یہ تھا کہ عمل کا نتیجہ سے وہ ذہنی ربط نہ ہو جو ایک سیاسی اور تمدنی گناہ کا تعزیری فیصلہ اور جج کو ذہنی اور جذباتی لائنوں سے ہے بلکہ وہی حقیقی، خارجی اور قدرتی ربط رہنا چاہئے جو ہر عمل نتیجہ سے رکھتا ہے اور جس کا فیصلہ کسی جج کا محتاج نہیں ہوتا۔ بلکہ زندگی کا قانون خود اس فیصلہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے قرآن نے متعدد جگہ اس پہلو کو واضح کرنے کے لئے "بدا ما کانوا یعملون" (ان کے اعمال سامنے آ گئے) سے مظاہرۂ اعمال کا نام سزا اور جزا ہونا بھی بتا دیا۔ خدا کسی کو کوئی سزا نہیں دیتا۔ زندگی کے اعمال جس قسم کے بھی ہوں گے ویسا ہی اچھا یا بُرا نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ آپ اسے جو جی چاہے کہہ لیجئے۔ آپ کی مصطلحات سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔

خدا کی ذرہ نوازی کا وہ تخیل جو صوفیا کے "معمولاتِ مطلب" میں سے ہے اور جسے میرے نزدیک شہنشاہیت کے تجربات نے پیدا کیا تھا۔ خدا سے ہرگز منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ خدا سب کچھ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کرسکتا ہے۔ مگر جب وہ خود ہی ایک ایک ذرہ کا وزن کرکے اعمال کو تولنے کا دعویٰ کر رہا ہو تو ہمیں خدا کے لئے ہٹلرشپ منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ خدا کی مرضیات۔ شاہانہ جذبات کی ترجیح بلا مرجح نہیں رکھتی۔ اس کی مشیت ایک اٹل قانون ہے۔ نفسیاتی تاثر کی بے ضابطگی نہیں۔ برزخ ایک دورِ تغییر، درمیانی وقفہ اور دو بیداریوں کے درمیان ایک خواب ہے۔ جس سے زندگی کو گزرنا ہی پڑے گا۔ ذرہ نوازی کے دھوکہ میں بلی کے بچہ کو لحاف اڑھا کر یہ نہ سمجھئے کہ آپ کے گناہ بخشے جاسکتے ہیں ہاں اتنی زبردست نیکی کیجئے جو آپ کی تمام معمولی برائیوں پر پردہ ڈال سکے۔ قانونِ الٰہی کے نفاذ اور احترامِ قانون کو زندہ رکھ سکنے کے لئے جان و مال اور جذبات کی قربانی کیجئے۔ آپ کے گناہ اس طرح دھل جائیں گے جس طرح بادل چھٹ جانے پر آسمان یا شکایات دور ہونے پر دوست کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ خدا سے معافی مانگ لینا برزخ کو جنت نہیں بنا سکتا۔ جب تک کہ آپ کا دل ہی آپ کو معاف نہ کر چکا اور پاک نہ ہو چکا ہو۔

عالم برزخ پر گفتگو کا دروازہ بند کرنے سے پیشتر ایک سوال پر روشنی ڈالنا ضروری ہو گا۔ فاتحہ درود اور پلاؤ زردہ سے مُردوں کی تواضع کی جاتی ہے۔ عوام ہی ایسا نہیں کرتے جنھیں ہندوؤں کے اس تخیل کا غلام بتایا جاسکتا تھا کہ ارواح ہفتہ میں ایک روز ضرور اپنے اپنے گھروں کا طواف کرتی ہیں بلکہ مجدد الف ثانیؒ جیسے متبع سنت حضرات بھی ثواب رسانی کے برکات، ثمرات اور تمثیلی نتائج کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں، یہ سب کچھ غلط تھا یا درست۔ اگر درست تھا تو قرآن کیوں خاموش ہے، اور حدیث نبویؐ اس مسلسل رواج کے لئے واضح اور مفصل چیز کیوں نہیں رکھتی اور اگر رکھتی تھی تو غیر مقلد حضرات کو چھوڑتے ہوئے خود صاحبِ ہدایہ کو اس حدیث کا کیوں سہارا لینا پڑا جس میں بتایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کا فرض انجام دیا۔ علاوہ اس کے کہ امتِ مرحومہ میں زندہ اشخاص بھی تھے اور صدہا سال بعد کو پیدا ہونے والے بھی جنھیں قبل از وقت ثواب پہنچانا ایک عجیب چیز ہوگی پھر کفارۂ مسیحی کے تخیل سے مشابہ بھی۔ کیا اس حدیث کا مطلب روح کو ثواب پہنچانا ہی ہو سکتا تھا اور کیا شہید و نگران ہونے کی ذمہ دارانہ پوزیشن کو تمثیلی شکل میں محسوس کرانا مقصو



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی واضح حدیث ہوتی تو کیا ایسی مجمل احادیث سے استناد کیا جاتا۔ اور اگر یہ سب کچھ برکاتِ تصوف میں سے تھا تو ثواب رسانی اس نوبت تک کیوں پہنچ گئی کہ مجددینِ اُمت بھی اسے اختیار کرنے لگے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ بعض مجمل احادیث پر اس پہلو کی تائید کا شبہ ہوتا ہے مگر اتنی اہمیت اور باضابطگی جو مراسمِ فاتحہ کے لوازم سے ہوگئی ہے۔ احادیث سے ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن قرآن کا نظریہ عمل و نتیجہ ثواب رسانی کے لئے ایک حد تک پس منظر کا کام دیسکتا ہے خواہ معتزلہ عقل پرستی کے جنون میں راہِ راست کا انتخاب نہ کرسکے ہوں۔

قرآن کے نزدیک انفرادی اور اجتماعی کسب و عمل ہی اس فرد یا جماعت کے لئے نتائج و ثمرات کی تخلیق کرسکتا ہے دوسرے شخص و قوم کی کارکردگی نہیں۔ بین الاقوامی ماحول ہندوستان کو آزادی میں سہولت پہنچا سکتا ہے آزاد نہیں کراسکتا۔ جتنا اتحاد، جتنا جذبہ قربانی اور دل کی دنیا میں جتنا انقلاب ہندوستانی پیدا کرسکیں گے۔ اس ہی ڈگری تک آزادی کا پارہ چڑھ سکتا ہے۔ اس سے ایک پوائنٹ بھی اونچا نہیں جائیگا مگر کسب و عمل دو طرح کا ہو۔ بلا واسطہ اور بالواسطہ۔ خود یا کسی کے ذریعہ کام کرنا۔ اصل شخصیت کی فردِ حساب میں بھی لکھا جاتا ہے۔

مولانا محمد علی مرحوم کی والدہ اگر ششءکے محرکات کے نتیجہ میں خود سیاسی انقلاب نہ برپا کرسکتی تھیں تو کیا ان کے دل کی آگ مولانا محمد علیؒ کی پیشانی سے نہ چمک سکی۔ امام غزالیؒ۔ مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ اگر خود انقلاب کی باگ اپنے قبضہ میں نہ لاسکے تو کیا ان کا پختہ عزم، جذبہ آتشیں، موحدین کی حکومت کے قیام، مغلیہ سلطنت کے تاجداروں کا رنگ بدل ڈالنے اور ایک خاص انقلابی پروگرام رکھنے والی جماعت کے لئے زمین ہموار کردینے میں کامیاب نہ ہوسکا کیا اس قسم کے صدہا واقعات، اصل محرک شخصیت کی طرف قطعاً منسوب نہیں کئے جاسکتے اور زندگی کے پلیٹ فارم پر ان کی کوئی جگہ نہ ہوگی، کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اسلام نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور دنیائے انسانیت نے بھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فاتحہ وغیرہ سے ثواب پہنچانا آیا بالواسطہ عمل کہلایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ثواب



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پہنچانے کا تصور ہمیشہ دو بنیادوں میں سے کسی ایک کے تابع ہوگا یا تو صرف رسم و رواج، تمدنی وقار اور طعنِ اقربا سے گریز اس کا محرک ہوگا۔ یا مرنے والے کی وہ نیک کرداریاں جن کے احساس نے خدمت کرسکنے کے جذبہ کو ابھارا۔ اگر پہلی حیثیت ہے تو کوئی شک نہیں کہ احباب کے پالفرزدہ کھانے سے زخم خوردہ، بے چین اور پریشان روح کو ذرہ برابر بھی تسکین نہیں ہوسکتی۔ نہ عالم خیال میں کوئی صورت پیدا ہوگی جس سے کوئی دل آویز شکل تیار ہوسکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ کسی سرمایہ دار کی دولت تقسیم کرسکنے کا موقعہ مل جائے۔ لیکن اگر ثواب پہنچانے کا تصور کسی عمل کا نتیجہ تھا تو صدقہ جاریہ کی طرح اس عمل کے نتائج بھی مرتب ہوں گے خواہ صدقہ جاریہ سے کیف وکم میں مساوی نہ ہوں۔ ثواب کا وہ طریقہ جو فاتحہ خوانی اور نخود شماری میں منحصر ہوکر رہ گیا ہے۔ اگر میرا نقطۂ نظر غلط نہ ہو تو مرنے والے کے یتیم بچوں، بیوہ عورت اور مجبور ماں باپ کی خدمت و دل جوئی کرنے کے مقابلہ پر بہتر نہیں ہوسکتا۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی اس ہی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس سے نہ صرف تمدنی زندگی کو ترقی کرنے کا موقع ملیگا بلکہ جس طرح نیند میں جذبات سے وابستگی رکھنے والے واقعات کا اثر دل ودماغ پر محسوس ہوتا ہے ایسے ہی ایک مسافر عزیز اور مردہ بھی مسرت وغم کے احساسات قبول کرنے سے قطعاً مجبور نہیں ہوتا۔ اس کے احباب واعزا کی پریشانیاں دور کرنے نے مردہ کے دل ودماغ کا بار جس حد تک دور ہوسکتا ہے وہ رسم پرستی کے تحت فاتحہ خوانی اور نخود شماری سے ممکن نہیں۔

جن حضرات علماء کے نزدیک صرف الفاظ بھی مقاصد ہی کا جزو ہوں اور نتائج سے کے علمبردار وہ شاید اس رسم قرآن خوانی کو اہمیت سپرد کرسکیں ورنہ مجھ جیسے لوگوں کے نزدیک وہ قرآن خوانی جو وقفۂ تعزیت کے ایک شغل سے زیادہ نہ ہو، نہ پاکیزہ تصورات کے گوشے روشن کرسکتی ہے نہ زندگی کے کسی انقلاب میں ارتقاء کا باعث ہوسکے۔ ہاں جو اہم اسباب و محرکات خواب کو جذباتی حیثیت سے خوش گوار اور ناخوش گوار بنا سکتے ہیں۔ ان کے لئے حیاتِ برزخ کو بھی خوشگوار بنا دینا ممکن ہے۔

مجدد الف ثانیؒ کا اندازِ بیان بھی بتاتا ہے کہ ثواب کی نوعیت اعمال کے مستقل اور



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دیرپا نتائج کے ہم رنگ نہیں۔ تحفہ، وقتی سکون اور لذت رفتنی کی قسم سے ہے۔ اگر ثواب کے نتائج روح کے تعمیری ارتقاء میں کام آسکتے اور اُسے لالہ وگل کی پر خلود جنت سپرد کرسکتے تو ثواب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بہ طور تحفہ نہ پیش کیا جاسکتا تھا۔ تحائف، عزت افزائی کے کام آسکتے خوانِ نعمت کچھ دیر کے لئے ذائقہ کو خوشگوار بنا سکتا اور خوش خبری پریشانیوں کے بوجھ کو ایک وقفے کے لئے ہلکا کرسکتی ہے۔ لیکن زندگی کو یہ چیزیں کامیاب اور ارتقاء پذیر فتہ نہیں بنا سکتیں۔ شاید اس ہی بنیاد پر قرآن نے شخصی اعمال ہی کو تمامتر اہمیت سپرد کی۔

جذبات پر اثر انداز ہونے والے طرزِ عمل کو ثواب رسانی کا بہتر ذریعہ بتانے سے یہ مقصد نہیں کہ پاکیزہ تصورات، قرآن خوانی وغیرہ کے توسط سے حیات برزخ کو خوشگوار نہیں بنا سکتے۔ خیال ایک زبردست طاقت کا نام ہے جو توارد، سلب امراض، خیال کی سمت بدل دینے، دل کی بات بتادینے اور اعزا کی پرورش تک بھی محدود ہوسکتا ہے اور سیاسی تمدنی اور اقتصادی انقلاب بھی لاسکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ خیالات کی ایسی لہریں بھی ہوسکتی ہیں جو خیال کی ان چھوٹی چھوٹی لہروں اور موجوں سے گذر کر طویل لطیف، نفاذ، سریع اور لاشعوری شعاعوں تک پہنچتی اور انھیں عالمِ تصویر و عالمِ آواز کا ہم رنگ بنادیتی ہوں۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ اور آپ اسے سائنٹفک آلات کی گرفت میں آجانے والی شعاعوں سے لیکر ہر لطیف تموجِ شعاعی اور نوری میں مضمر پائیں گے۔

میں اس چیز کو ہرگز ناممکن نہیں سمجھتا کہ جس طرح صوفیا، کشفِ قبور کی استعداد سے اہل قبور کے پیغامات سُن سکتے ہیں ایسے ہی کسی زمانہ میں اہل سائنس کے ذرائع بھی کسی حد تک کرسکیں علاوہ تر بلکہ معرفتِ الٰہی اور سیر الی اللہ کے مدارج اگر ایک مشرک بھی مرضیاتِ الٰہیہ کا راستہ نہ اختیار کرتے ہوئے طے کرسکتا ہے خواہ دوزخ کا ایندھن ہونا ہی اس کے لئے مقدر ہوچکا ہو۔ جیسا کہ شاہ اسمٰعیل صاحب نے صراطِ مستقیم میں تحریر فرمایا ہے۔ تو اہلِ سائنس یا دوسرے فن کاروں کے لئے یہ چیز کیونکر ناممکن ہوجائے گی۔ ہر پہلو کا مطالعہ وسعتِ قلب کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ قدرت نے حقائق و معارف تک پہنچنے کے صدہا دروازے بنائے ہیں، آپ جس طرح جس سمت سے اور جس زمانہ میں بھی پہنچنا چاہیں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔

اہل سائنس کے مکاشفات تو ایک طرف رہے۔ میں نے بعض ایسے حقائق کو جن کے کشف پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیماتِ الٰہیہ میں فخر کیا ہے۔ مدینہ اخبار کے معمولی اشعار میں دیکھا تھا جسے خود شاعر ساری عمر بھی نہ محسوس کر سکیگا۔ "یوتی الحکمۃ من یشآء"

یہی وہ حقیقت ہے جس نے صوفیائے کرام کو محسوس کرا دیا تھا کہ کشف و کرامات، روحانی ارتقاء کا ثبوت نہیں ہوسکتیں۔ اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ قانونِ الٰہی اور مرضیاتِ الٰہی کا راستہ۔ یہ دنیا جتنی سادہ ہے اتنی ہی پیچیدہ بھی۔ سائنٹفک تحقیقات کا آپ جس حد تک مطالعہ وسیع کرتے جائیں گے میرے دعوے کے دلائل آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔ قوتِ متخیلہ کی ان برقی مقناطیسی شعاعوں ہی کو تمام تر سرمایہ نہیں سمجھ لینا چاہئے جن کا آپ کی سائنس مشاہدہ کر چکی۔ ہنوز دلی دور است۔ اس زندگی میں لطافت و قوت کے مدارج، شعاع سے لاشعاع اور شعور سے لاشعور کی طرف لے جا رہے ہیں اور لے جاتے رہیں گے۔ جب دنیا خودی سے بیخودی، خیال سے لاخیال اور حیات سے لاحیات[۱] تک تحقیق کر چکی ہوگی وہی طلوعِ صبح عالمِ مثال و برزخ کے حقائق سائنٹفک ریسرچ کے سایہ میں سمجھ سکنے کی پہلی صبح ہوگی۔ فانتظر وانی معکم من المنتظرین۔

برزخ پر ایک مسلمان کے لئے جس حد تک بحث کرنا چاہئے تھی شاید اس تشنگی کو دور کرنے میں مجھے بالکل ناکام نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں عقلیت پرستوں کے لئے ابھی چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنا باقی رہ گیا۔ لیکن چونکہ میرا عقیدہ ہے کہ علمِ کلام کی ان جزئی بحثوں سے ان کی طمانیتِ قلب کا سامان فراہم نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس کتاب کا انتظار کرنا چاہئے جو اشتراکیت پرستوں کے لیڈر ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری ایم، ڈی کی فرمائش اور مسلسل تقاضہ پر اسلام کے نظامِ حیات پر کئی مجلدات میں لکھ رہا ہوں۔ شاید اس خدمت سے ہی بخشش کا کوئی سامان ہو سکے۔ والتوفیق بیدہ۔

---

[۱] شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیماتِ الٰہیہ میں دعویٰ کیا ہے کہ مجھے اس زندگی میں ہی دو مرتبہ موت دی گئی ہے۔ ابو النظر رضوی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اب قیامت، حشر اور جنت و دوزخ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ میں نے ان موضوعات پر بھی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کیا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ چیزیں علوم غیبی کا ایک جزو ہونے کے باوجود ایسی نہیں جنھیں عقل و مشاہدہ سے کوئی نسبت ہی نہ ہو۔ لیکن میرے موضوع سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے رخصت ہونے کی اجازت چاہتے ہوئے اتنا عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگرچہ آئندہ زندگی کے ہر انقلاب و تغیر میں نباتیت، حیوانیت اور انسانیت کے خواص اضافی قدروں میں باقی رہیں گے لیکن اس ہی طرح جیسے کہ حیوانات سے انسان کے تخلیقی انقلاب پر ہوا۔

نطفہ، نباتاتی اور حیوانی ارتقاء سے گذرتے ہوئے جب ایک خاص نقطہ تک پہنچتا ہے، تو باوجود اس کے کہ علامات کا تقاضہ تخلیق انسانی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کر رہا ہوتا۔ غیر متوقع طور پر انقلاب انسانی ارتقاء کو نمایاں کر دیتا ہے۔ ایسے ہی موجودہ انسانیت کا انقلاب ایک ایسے تخلیقی نقطہ تک پہنچا دے گا۔ جس کی آج ہم کوئی توقع نہیں کر سکتے۔ "ننشأکم فیما لا تعلمون" (اور ایسی حالت میں دوبارہ پیدا کریں گے جسے تم نہیں جانتے) کا منشا بھی یہی ہے۔

اور نشأۃ ثانیہ (دوسری زندگی) کے لئے "خلقاً آخر" کی اصطلاح استعمال کرنے کا بھی اس کے سوا کچھ مطلب نہیں کہ موجودہ قانون حیات سے بہت کچھ مغائرت ہوگی۔ انسان کے موجودہ انداز پیدائش کو بھی قرآن نے "خلقاً آخر" سے تعبیر کیا ہے اور دوسری زندگی کو بھی دونوں زندگیوں میں غیر متوقع انقلاب کی یکسانیت بھی ضروری ہے اور قوانین حیات و استعدادات میں کم از کم اتنی ہی بیگانگی جتنی کہ حیوانیت اور انسانیت میں آپ پاتے ہیں۔

اگر ہم قرآن کا عمیق مطالعہ کریں تو قیامت کی علمی توجیہات بھی سامنے آ سکتی ہیں اور دوسری زندگی کے بعض انقلاب پذیر قوانین حیات پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے۔ اگرچہ مکمل معلومات نہیں فراہم کی جا سکتیں۔ اور فراہم بھی ہو جائیں تو سمجھائی نہیں جا سکتیں۔ ارتقاء سے پہلے اس کی استعداد کا اندازہ کر سکنا ہمیشہ ناممکن رہا۔ اور ہمیشہ ناممکن رہے گا۔ ایک دھندلا سا خاکہ تیار ہو سکتا ہے جو



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تسکینِ قلب و دماغ نہ کرسکیگا۔

میرے نزدیک قرآنی نظریات میں اس عقیدہ کے لئے کوئی جگہ نہیں کہ آئندہ زندگی موجودہ زندگی کا عکس ہوگی۔ انسان بہت سی باتوں میں حیوان سے مشابہ ہے۔ پھر بھی کچھ شاہت نہیں رکھتا۔ اتحاد کے پہلو میں تغایر و بیگانگی کے "دشنۂ پنہاں" کو نہ بھول جانا چاہئے۔ آئندہ زندگی کا آغاز صحیح معنی میں قیامت کے بعد ہوگا۔

برزخ کو چند باتوں میں کسی حد تک مشابہ ہونے کی بنا پر اگر عالمِ آخرت کا جزء کہدیا جائے تو دوسری بات ہے ورنہ نشأۃ ثانیہ کے آغاز سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ عالمِ حشر جو کائناتی تخلیق کے اصول پر بھی ایک عالم ہی کہلائے جانے کا مستحق ہے اور جسے قرآن نے نباتات کی تخلیق وارتقاء سے سمجھایا تھا ضمنی موضوع کی حیثیت سے نہیں بیان کیا جا سکتا اس لئے مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیجئے۔

## معذرت۔ تصحیح

میرے مضمون "نظریۂ موت اور قرآن" میں کئی جگہ فاحش غلطیاں اور کمزوریاں میری بدقسمتی سے ہوگئی تھیں۔ حتی کہ مارچ کے پرچہ میں صفحہ ۲۰ پر اس فقرہ سے پہلے کہ "قرآن نے صاف اور سیدھی بات بتائی تھی" وہ آیت ہی حذف ہوگئی جس کی شرح اس فقرہ سے شروع کرنا مقصود تھا۔ اور اس طرح مفہوم خبط ہوگیا۔ اس لئے میں نے ایک تحریر ایڈیٹر صاحب کے پاس روانہ کی تھی جس میں تصحیح کے ساتھ علم الٰہی کے لئے قرآن کی اصطلاح "کتاب" ہونے پر مزید روشنی ڈالی گئی تھی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تاکہ ہر گوشہ روشن ہو جائے مگر بد قسمتی سے وہ بھی گم ہو گئی۔ اگر تندرستی ہوتی تو شاید دوبارہ کوشش کر سکتا۔ لیکن بیماری اور مسلسل بیماری نے اس زمانہ میں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ کسی علمی چیز پر غور نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ آیت بھی ذہن میں نہیں رہی۔ اس لئے میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میری کمزوری و مجبوری پر نظر رکھتے ہوئے تصحیح نہ کر سکنے کی معذرت قبول کر لی جائے میں خود ذہنی اذیت میں مبتلا ہوں کہ میری ساری کوشش بیکار گئی اس لئے آپ کو بھی معاف کر دینا چاہئے۔

ابوالنظر رضوی

---

# ہندستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

## جلد اول

تالیف حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

شائع ہو گئی

کتاب کی اہمیت و عظمت کے لئے صرف مولف کتاب کا نام نامی زبردست ضمانت ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے اپنے مخصوص انداز تحریر میں یہ واضح کیا ہے کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے زمانہ سے لیکر آج تک تاریخ کے مختلف دوروں میں مسلمانوں کا نظام تعلیم کیا رہا ہے۔ تحقیق و تفصیل کتاب کی جان ہے۔ جگہ بجگہ نہایت اہم مفید اور معرکتہ الآرا مباحث آگئے ہیں، اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب ہے۔ انداز بیان ایسا دلکش ہے کہ شروع کرنے کے بعد کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ تصوف کی چاشنی نے کتاب کی دلچسپی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہو رہی ہے صفحات جلد اول ۴۰۰ بڑی تقطیع قیمت چار روپے۔

منیجر ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی



© rasailojaraid.com